Cluster University Srinagar, J&K

4th Semester -Skill Enhancement course- Urdu Journalism

Title: (Urdu Journalism)اردو صحافت

یونٹ اول: ▪ صحافت کی تعریف ▪ اردو صحافت کی مختصر تاریخ

یونٹ دوم: ▪ خبر: فن اور اجزاء ▪ خبر کی اقسام

یونٹ سوم: ▪ اداریہ نگاری ▪ کالم نگاری

یونٹ چہارم: ▪ مراسلہ نگاری ▪ انٹرویو

معاون کتب:

1. اردو ماس میڈیا	فضل الحق	2. دہلی میں اردو صحافت	انور دہلوی
3. ابلاغیات	محمد شاہد حسین	4. ہندوستانی اخبار نویسی	محمد عتیق صدیقی
5. فنِ ادارت	مسکین علی حجازی	6. خبر نگاری	شافع قدوائی
7. تاریخِ صحافت	امداد صابری		

000000000000000000000000000000000000000000000000000000000

صحافت کی تعریف

صحافت کسی بھی معاملے کے بارے میں تحقیق اور پھر اسے صوتی، بصری یا تحریری شکل میں بڑے پیمانے پر قارئین، ناظرین یا سامعین تک پہنچانے کے عمل کا نام ہے۔ گو تکنیکی لحاظ سے شعبہ صحافت کے معنی کے کئی اجزاء ہیں لیکن سب سے اہم نکتہ جو صحافت سے منسلک ہے وہ عوام کو باخبر رکھنے کا ہے۔ معلومات فراہم کرنے کے علاوہ صحافت کسی بھی معاشرے کے کلچر کو بھی اجاگر کرتی ہے جس میں فنون لطیفہ، کھیل اور تفریح کے اجزاء شامل ہیں۔ شعبہ صحافت سے منسلک کاموں میں ادارت، تصویری صحافت، فیچر اور ڈاکومنٹری وغیرہ بنیادی کام ہیں۔

صحافت عربی زبان کا لفظ ہے جو 'صحف' سے ماخوذ ہے جس کے لغوی معنی کتاب یا رسالے کے ہیں۔ یعنی ایسا مطبوعہ مواد، جو مقررہ وقفوں کے بعد شائع ہوتا ہے صحافت کہلاتا ہے۔ اردو اور فارسی میں یہی اصطلاح رائج ہے جبکہ انگریزی میں اسے Journalism کہا جاتا ہے، جو "جرنل" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی روزانہ حساب کا بہی کھاتا یا روزنامچہ کے ہیں۔ جرنل کو ترتیب دینے والے کے لئے Journalist یا صحافی کی اصطلاح رائج ہے۔

ایسے صحافی جو اس پیشہ کو مکمل طور پر اپناتے ہیں یا اسے ذریعہ روزگار بناتے ہیں انہیں Working Journalist کہا جاتا ہے۔ جو صحافی جزوقتی طور پر کام کرتے ہیں یا کسی ایک اخبار سے وابستہ نہیں رہتے بلکہ مختلف اخبارات میں مضامین، فیچر، کالم لکھتے ہیں وہ آزاد صحافی (Freelance Journalist) کہلاتے ہیں۔

صحافت کی جامع تعریف بیان کرنا مشکل کام ہے۔ کچھ صحافیوں اور اساتذہ نے صحافت کی تعریف بیان کرنے کی کوشش کی ہے جبکہ مختلف انسائیکلوپیڈیا بھی صحافت کی تعریف یا مفہوم درج ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں صحافت کے معنی اس طرح دیئے گئے ہیں: ”جدید عربی میں اخبار کے لئے ”جریدہ“ کی اصطلاح مستعمل ہے۔ اس کا مترادف صحیفہ ہے جو بصورت واحد کم استعمال ہوتا ہے لیکن اس کی جمع ”صحف“ کا استعمال جرائد کی بہ نسبت عام ہے۔“ اردو انسائیکلوپیڈیا (جلد سوم) میں صحافت کا مفہوم یوں درج ہے:۔ ”اخبارات ورسائل اور خبر رساں اداروں کے لئے خبروں اور خبروں پر تبصروں وغیرہ کی تیاری کو صحافت کا نام دیا جاتا ہے۔ یوں تو صحافت کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ انسانی تاریخ، لیکن جدید دور کی مطبوعہ صحافت کے فن نے پچھلے تین سو سال میں مختلف منزلوں سے گذر کر موجودہ شکل اختیار کی ہے۔“ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کی پانچویں جلد میں جرنلزم کی تعریف ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے۔

\"The profession of gathering, writing and editing the news. As observers, reporters and commentrators on the rest of the society, journalist enjoy unique status that amply justifies their occassinal designation as the fourth state\"

ایکسپلورنگ جرنلزم (Exploring Jounralism) کے مصنفین ای اولزلے اور کیمپ بیل نے صحافت کی تعریف نہایت اختصار کے ساتھ یوں بیان کی ہے:

”صحافت“ جدید وسائل ابلاغ کے ذریعہ عوامی معلومات، رائے عامہ اور عوامی تفریحات کی باضابطہ اور مستند اشاعت کا فریضہ ادا کرتی ہے۔“ بقول سید اقبال قادری کہ ”صحافت ایک ہنر ہے ایک فن ہے یہ ایسا فن ہے جس میں تخلیقی صلاحیتوں کا استعمال ہوتا ہے۔“ عموماً لوگ صحافت کو ادب کے دائرے سے باہر ہی رکھتے ہیں لیکن یہ ادب کا ہی ایک حصہ ہے۔ ادب اور صحافت کے درمیان ایک واضح خط ہوتے ہوئے بھی کئی ایک امور میں دونوں مشترک ہیں۔ دونوں کا بنیادی مقصد ابلاغ ہے۔ اس لئے برنارڈ شاہ نے صحافت کی مختصراً تعریف یوں بیان کی ہے:

\"All great literature is Journalism\"

اعلیٰ ادب دراصل صحافت ہے۔ قرب زمانی اور تازگی صحافت کی جان ہے۔

میتھیو آرنالڈ صحافت سے متعلق اس طرح رائے دی ہے:

\"journalism is Literature but in a Hurry\"

صحافت ادب ہے، مگر عجلت میں لکھا گیا ادب۔

صحافت کے ابتدائی دور میں ادب اور صحافت ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزم تھے۔ ادبی شہ پاروں کے ذریعہ صحافت کا کام لیا جاتا تھا۔ ہندوستان کی جدوجہد آزادی کے دوران لکھا گیا ادب، صحافت کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے اسی لئے لارڈ کیننگ نے اس دور کی صحافت پر یوں رائے دی ہے: ”اس بات کو لوگ نہ تو جانتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں کہ گذشتہ چند ہفتوں میں دیسی اخباروں نے خبریں شائع کرنے کی آڑ میں ہندوستانی باشندوں کے دلوں میں دلیرانہ حد تک بغاوت کے جذبات پیدا کردیئے ہیں۔ یہ کام بڑی مستعدی، چالاکی اور عیاری کے ساتھ انجام دیا گیا۔“

سر سید احمد خان کو اردو صحافت کا امام کہا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنے اخباروں کے ذریعہ صحافت اور ادب دونوں کی خدمت کی۔ سر سید کے نزدیک صحافت ایک خدمت ہے اور ادب سماج کی اصلاح کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ انہوں نے نہ صرف سوچ وفکر میں تبدیلی پیدا کی بلکہ سماجی طور پر ایک بہت بڑا انقلاب برپا کیا۔ اخبار سائنٹفک سوسائٹی اور تہذیب الاخلاق کو صرف اور صرف قوم کی اصلاح اور خدمت کے لئے استعمال کیا۔ انہوں نے صحافت سے متعلق اپنا نقطہ نظر یوں واضح کیا ہے:

”سات برس تک ہم نے بذریعہ اس پرچے کے اپنی قوم کی خدمت کی۔ مذہبی بے جا جوش سے جس تاریک گڑھے میں وہ چلی جاتی تھی اس سے خبر دار کیا۔ دنیاوی باتوں میں جن تاریک خیالات کے اندھیرے میں وہ مبتلا تھی اس کو روشنی دکھائی۔۔۔ قومی ہمدردی، قومی عزت، سیلف آنر یعنی عزت کا آپ خیال اگر ہم نے اپنی قوم میں پیدا نہیں کیا تو اس لفظوں کو ضرور اور زبان کے علم وادب میں داخل کیا۔ ہم نے کچھ کیا ہو نہ کیا ہو مگر ہر طرف سے تہذیب وشائستگی کا غلغلہ سنا۔ قومی ہمدردی کی صداؤں کا ہمارے کانوں میں آنا، اردو زبان وادب کے علم وادب کا ترقی پانا، یہی ہماری مرادیں تھیں جن کو ہم نے بھرپایا۔“

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صحافت مشن ہے یا کاروبار؟ چونکہ صحافت معاشرے پر اثرانداز ہوتی ہے اور معاشرہ اس پر اثرانداز ہوتا ہے۔ اس لئے صحافت کی بے پناہ ترقی کے اس دور میں معاشرے سے اس کا چولی دامن کا ساتھ ہو گیا ہے۔ صحافت مشن بھی ہے کاروبار بھی اور ان دونوں عناصر کی یکجائی کے بغیر صحافت کا تصور ممکن نہیں۔

000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000

اردو صحافت کی مختصر تاریخ

اردو صحافت کے آغاز سے متعلق کئی متضاد دعوے کئے گئے ہیں۔ کسی نے مولوی محمد باقر کے سر اس کا سہرا باندھا ہے جو تحریک آزادی کے لئے شہید ہونے والے پہلے صحافی تھے جنہیں انگریزوں نے توپ سے باندھ کر اُڑا دیا تھا۔ مولوی محمد باقر کا اردو اخبار دہلی سے 1836 سے 1857ء تک جاری رہا۔ بعض کا یہ دعویٰ ہے کہ اردو کا پہلا اخبار ”آگرہ اخبار“ ہے جو اکبر آباد سے 1831ء میں جاری کیا گیا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اردو کا سب سے پہلا اخبار ”جام جہاں نما“ کا ضمیمہ تھا جو 27/ مارچ 1823ء کو جاری ہوا اور 1824 تک نکلتا رہا اور پھر بند ہو کر دوبارہ 1825 میں جاری ہوا۔ جناب یوسف کاظم عارف کا دعویٰ ہے کہ ”مرأۃ الاخبار“ اردو کا پہلا اخبار ہے جو 1821 میں کلکتہ سے جاری ہوا۔ جس کے روح رواں راجا رام موہن رائے تھے۔ ایک اور دعویٰ یہ بھی ہے کہ 1810ء میں کلکتہ سے کاظم علی نے ”اردو اخبار“ کے نام سے اردو صحافت کا آغاز کیا۔ مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اردو اخبار کا آغاز ہندوستان کے پہلے مجاہد اور شہید آزادی ٹیپو سلطان شہیدؒ نے کیا تھا۔ جنہوں نے 1794ء میں ایک حکم صادر کیا کہ ایک سرکاری پریس جاری کیا جائے جس میں عربی حروف میں ٹائپ کی چھپائی ہو۔ ان کے حکم کی تعمیل ہوئی۔ ٹیپو سلطان نے ارشاد فرمایا کہ اس پریس سے اردو زبان کا اخبار جاری کیا جائے جس کا نام ”فوجی اخبار“ رکھا جائے۔ یہ اخبار شاہی سرپرستی اور سرکاری نگرانی میں جاری ہوا جو اردو زبان کا پہلا اخبار تھا اگرچہ کہ عوام تک اس کی رسائی نہیں تھی بلکہ صرف شاہی فوج کے افسر اور سپائیوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ یہ وہ دور تھا جب سرکاری زبان فارسی تھی۔ اردو کی ابتدائی حالت تھی۔ مگر ٹیپو سلطان شہید کی دوربین نظروں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ آنے والا دور اردو کا ہوگا۔ اس فوجی اخبار میں جو تقطیع پر ہفتہ وار شائع ہوتا تھا

اس میں فوج کی نقل و حرکت، افسروں کے تعین اور تبادلے کی اطلاعات درج ہوتی تھیں۔ فوج کے متعلق احکامات بھی شائع کئے جاتے تھے۔ یہ پانچ سال تک پابندی کے ساتھ شائع ہوتا رہا۔ ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد انگریزوں نے پریس اور فوجی اخبار کی تمام فائلوں کو ضبط کر لیا اور اسے آگ لگا دی۔ جہاں تک عوامی اخبار کا تعلق ہے ' "جام جہاں نما" کو اردو کے اولین اخبار کی سند دی جاسکتی ہے جس کے ناشر ہری دت ' اور ایڈیٹر سدا سکھ لعل تھے۔ 'جام جہاں نما' کی مقبولیت اور اس کے مضامین سے پیدا ہونے والے جوش اور ولولہ کے پیش نظر برطانوی حکومت کے اس وقت کے چیف سکریٹری ولیم ورلڈ وتھ بیلے نے ایک خفیہ فائل تیار کی تھی جس میں "جام جہاں نما" پر کنٹرول اور سینسر شپ کی ہدایت تھی۔ "جام جہاں نما" ہی کی وجہ سے 1823ء میں پہلا پریس ایکٹ رائج ہوا۔

جہاں تک مولوی محمد باقر کے دہلی اردو اخبار کا تعلق ہے یہ بھی ایک ہفت روزہ تھا جس نے انگریز سامراج کے خلاف قلمی جہاد کیا وہیں ہندو مسلم اتحاد کا محرک بھی بنا۔ مولوی محمد باقر نے جب اخبار نکالا تو ان کی عمر 57 برس تھی۔ یہ اردو کا لیتھو اساس اولین مطبوعہ اخبار ہونے کی وجہ سے اپنے وقت کا ایک عجوبہ عظیم تھا۔ یہ اخبار دلچسپ اور دلفریب تھا جس میں شیخ ابراہیم ذوق، بہادر شاہ ظفر، مرزا غالب، حافظ غلام سول، مرزا محمد علی بخت مرزا، حیدر شکوہ، مرزا انورالدین کے کلام شائع ہوتے۔ ذوق اور غالب کی نوک جھونک کی خبریں بھی اس میں شامل ہوتیں۔ مگر اس کا اصل مقصد انگریزوں کی غلامی سے ہندوستان کو آزاد کروانا تھا۔ ان کے ہمعصر ساتھیوں میں ماسٹر رام چندر مدیر "فوائد الناظرین"، "خیر خواہ ہند" اور محب ہند"۔ پر بھو دیال ایڈیٹر "فوائد الشائقین" تھے جن کے اخبارات بھی مولوی باقر کے پریس ہی میں چھپتے تھے۔ ماسٹر رام چندر نے 1845ء میں "خیر خواہِ ہند" بھی شائع کیا۔

مولوی محمد باقر نے 1857ء کی بغاوت کے روز ازل سے رپورٹنگ کی جو دراصل آنکھوں دیکھا حال تھا' یہ 17 مئی 1857ء کو شائع ہوا۔ ہندوستان کی بغاوت کو انگریز حکمرانوں نے غدر قرار دے کر ایک تنقیح آمیز اشتہار چھاپا اسے جامع مسجد کے دروازوں اور کئی نمایاں مقامات پر چسپاں کیا۔ مولوی باقر نے اس اشتہار کو اپنے اخبار میں بھی شائع کیا۔ جس میں اسلام اور مسلمانوں سے متعلق اہانت آمیز الفاظ استعمال کئے گئے تھے۔ مولوی محمد باقر نے اس اشتہار کا دندان شکن جواب دیا۔ اس طرح وہ حاکم انگریزوں کی نگاہوں میں کھٹکنے لگے۔ مولوی محمد باقر نے قلمی نام سے بھی ایسے مضامین اپنے اخبار میں شائع کئے جس نے ہندوستانیوں کے حوصلے بلند کئے اور فرنگیوں کو بوکھلاہٹ کا شکار کیا۔ مولوی محمد باقر کو ستمبر ء میں گرفتار کیا گیا اور فرنگی جاسوسی محکمہ کے انچارج کیپٹن ہڈسن کے سامنے پیش کیا گیا جس کے حکم سے انہیں 16/ ستمبر 1875ء کو دہلی دروازہ کے باہر خونی دروازہ کے سامنے میدان میں توپ کے گولے سے شہید کر دیا گیا۔ جس وقت مولوی محمد باقر کو سزائے موت دی جانے والی تھی ان کے فرزند محمد حسین آزاد بھیس بدل کر ان کے آخری دیدار کے لئے گئے اس وقت مولوی محمد باقر نماز پڑھ رہے تھے۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔ اور مولوی محمد باقر نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھادئے جو اس بات کا اشارہ تھا کہ آخری ملاقات ہوگئی تم جاسکتے ہو۔ کچھ دیر بعد 77 سالہ مولوی محمد باقر کو توپ کے گولے سے اڑا دیا گیا اس طرح اردو کے پہلے صحافی نے جام شہادت نوش کیا۔

عبدالسلام خورشید کے مطابق 1857 کے بعد اردو روزناموں کا دور شروع ہوا۔ اردو کا روزنامہ اخبار کلکتہ کا "اردو گائیڈ" تھا جسے مولوی قدیرالدین احمد خان نے 1858ء میں شروع کیا۔ اس کے بعد اردو کا دوسرا روزنامہ 1875ء میں لاہور سے شروع ہوا جس کا نام "روزنامچہ پنجاب" تھا۔ اسی دور میں لاہور سے ایک اخبار "رہبر ہند" بھی شروع ہوا۔

اردو اخبارات کی اشاعت کے سلسلے جاری رہے۔ تاہم ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال (مرحوم) نے جنوب ہند کی اردو صحافت میں لکھا ہے کہ 1857 سے پہلے ہی مدراس (چینائی) میں ایک درجن سے زیادہ (مطابع) پرنٹنگ پریس قائم ہو چکے تھے۔ لیتھو گرافی اگرچہ کہ کلکتہ کے بعد مدراس میں شروع ہوئی مگر دہلی اور لکھنؤ جیسے شمالی ہند کے مراکز سے پہلے یہاں شروع ہو چکی تھی اس لئے اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اردو کا پہلا اخبار مدراس ہی سے شائع ہوا ہوگا اگرچہ کہ ایسی کوئی سند نہیں ملی۔ البتہ مدراس میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے قیام اور اس سے پیدا ہونے والے حالات کا بغور جائزہ لیں تو اردو اخبار کے اجراء کے لئے ناگزیر ماحول 1841ء سے بہت پہلے پیدا ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر علیم صبانویدی نے تاملناڈو میں اردو میں صحافتی خدمات کے زیر عنوان اردو صحافت کے معماروں کا ذکر کیا ہے ان میں جنوب کے پہلے اردو اخبار "جامع الاخبار" کے ایڈیٹر سید رحمت اللہ، "اعظم الاخبار" کے ایڈیٹر سید محمد اعظم، "شمس الاخبار" اور "عزیز الاخبار" کے بانی اور ایڈیٹر شاہ عزیز الدین گھٹالا، سید عبدالستار سنین، مولوی نصیر الدین اور گھٹالہ، "صبح صادق اور طلسم حیرت" کے نگران حضرت صادق الحسینی شریف مدراسی، مولانا عبدالمجید شرر آلندوری ایڈیٹر "قومی رپورٹ"، علامہ شاکر نائطی ایڈیٹر "مصحف"، مولانا ابوالجلال ندوی ایڈیٹر "سہیل"، مولانا سید سلطان محی الدین بہمنی مدیر" حیات وامام"، مولانا سید عبداللطیف فاروقی ایڈیٹر "آزاد ہند اور مسلمان" کے نام قابل ذکر ہیں۔ افضل الدین اقبال کے حوالہ سے علیم صبانویدی نے 1841ء سے 1856ء تک مدراس سے شائع ہونے والے جن اردو اخبارات، جرائد اور رسائل کا ذکر کیا ہے ان میں:

ہفتہ وار جامع الاخبار 1841ء ایڈیٹر سید رحمت اللہ

ہفتہ وار اعظم الاخبار 1848ء ایڈیٹر حکیم سید محمد

ہفتہ وار آفتاب عالم 1849ء-----

ہفتہ وار عمدۃ الاخبار 1849ء محمد انور

ہفتہ وار تعلیم الاخبار 1851ء منشی سید حسین

ہفتہ وار صبح صادق 1855ء سید عبدالرحمن

ہفتہ وار مظہر الاخبار 1856ء محمد خواجہ بادشاہ عبرت

روزنامہ طلسم حیرت 1856ء غلام محی الدین

1857 کے بعد اردو اخبارات یا اردو صحافت کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ "اودھ اخبار (لکھنؤ)" سائنٹیفک گزٹ اور تہذیب الاخلاق علیگڑھ، اودھ پنچ لکھنؤ، اکمل الاخبار دہلی، پنجاب اخبار لاہور، شمس الاخبار مدراس، کاشف الاخبار ممبئی، قاسم الاخبار بنگلور، آصف الاخبار حیدرآباد۔ ان اخبارات میں اودھ اخبار کو منشی نول کشور نے رتن ناتھ سرشار کی ادارت میں روزنامہ میں تبدیل کیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اردو اخبارات نے تحریک آزادی کے ساتھ عوامی مسائل، رشوت خوری، بلدی مسائل، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی کے خلاف بھی آواز اٹھائی۔ اس دوران مدراس سے:

ہفت وار شمس الاخبار 1859ء محمد اعظم گھٹالہ

ماہ نامہ ماہِ نور 1864ء جعفر حسین

روزنامہ نیر اعظم 1864ء محمد عبدالستار صدیقی

ماہنامہ یادگارِ زمانہ 1871ء منشی عبدالرزاق

ہفتہ وار جریدۂ روزگار 1875ء سید محمد مرتضیٰ شاہ قادری

1877ء میں مولوی ناصر علی نے "نصرت الاخبار"، "نصرت الاسلام" اور "مہر درخشاں" کی اشاعت کا آغاز کیا۔ اودھ پنچ سجاد حسین کی ادارت میں نکلنے والا پہلا طنز ومزاح کا جریدہ تھا جبکہ خواتین کا پہلا جریدہ "اخبار النساء" تھا۔ 1879ء میں روزنامہ "مظہر العجائب" ایڈیٹر مصطفےٰ حسین شائع ہوا۔ کلکتہ سے شیخ احسن اللہ سندگری دہلوی نے 1881ء میں "دارالسلطنت" کی اشاعت کا آغاز کیا جس کے ایڈیٹر منقور اپرساد سومر تھے۔ پہلے ہفت روزہ پھر سہ روزہ اخبار کی حیثیت سے یہ عام ہوا۔ اسی دور میں ایک نمائندہ روزنامہ "اخبار عام" تھا جو ہفتہ روزہ سے روزنامہ میں تبدیل ہوا۔ اسی سال حکیم محمد حسین نے مدراس سے ہفتہ وار "احسن الجرائد" نکالا۔ 1882ء میں شاہ عبدالعزیز گھٹالہ نے "عزیز الاخبار"، 1884ء میں محمد عظیم الدین نے "اتحاد"، سید علی قادر بہار نے ماہنامہ "جلوۂ سخن" 1887ء میں جاری کیا۔ 1893-94ء میں "اخبارِ عام" شائع ہوا۔ اس اخبار کی روزانہ اشاعت دو ہزار سے بھی زائد ہوگئی تھی۔ اس کا ہمعصر انگریزی اخبار "سیول اینڈ ملٹری گزٹ" صرف 1400 چھپتا تھا۔ "اخبار عام" کا جانشین "پیسہ" اخبار تھا جس کے ناشر محبوب عالم تھے۔ آج بھی لاہور میں "پیسہ اخبار اسٹریٹ" اسی زمانہ کی یادگار ہے۔ یہ اردو روزناموں میں سرفہرست تھا۔ 1895ء سے 1900ء تک مدراس سے "مخبر دکن" ہفتہ وار ایڈیٹر سید عبدالقادر فقیر، "نیر آصفی" ہفتہ وار ایڈیٹر اسد الدین احمد، "آفتاب دکن" ہفتہ وار ایڈیٹر سید جلال الدین گھائل، ہفتہ وار "اتفاق" ایڈیٹر عبدالملک شائع ہوئے۔ 20ویں صدی کے آغاز میں مولانا ظفر علی خان کی زیر ادارت "زمیندار" کی اجرائی سے "پیسہ" اخبار کے وجود کو خطرہ ہونے لگا آخر یہ بند ہوگیا۔ یہ وہ دور تھا جب "پیسہ" کے علاوہ "اودھ اخبار" اور "صلح کل" تین روزنامے شائع ہوتے تھے جو اعتدال پسند صحافت کا نمونہ تھے۔ تاہم انگریزوں کے خلاف تحریک آزادی نے زمیندار، "ہندوستانی"، "الہلال" اور "ہمدرد" جیسے اخبارات کو مقبول عام بنادیا۔ اسی دوران "ہندوستان لاہور"، "دیپک امرتسر"، "دیش لاہور"، "اردوئے معلی (کانپور)"، "مسلم گزٹ (لکھنؤ)"، "مدینہ (بجنور)"، "ہمدم (لکھنؤ)"، "سوراج (الہ آباد)" نے عوام میں سیاسی شعور بیدار کیا اور عوام کو آزادی کی قومی تحریکات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی ترغیب دی۔ کانگریس، مسلم لیگ، ہندومہاسبھا، آریہ سماج، خلافت کمیٹی اور علی گڑھ تحریک نے اردو اخبارات اور جرائد و رسائل کے فروغ میں حصہ بھی لیا اور ان پر اثرانداز بھی ہوئے۔ اُس دور میں "زمیندار" سب سے مقبول عام اخبار تھا جس کی تعداد اشاعت 30,000 تک پہنچ گئی تھی۔ یہ 1903ء میں لاہور سے جاری کیا گیا تھا۔ اس سے ایک سال پہلے ہی مولوی ثناء اللہ خان نے ہفتہ وار وطن جاری کیا جو 33 سال تک شائع ہوتا رہا۔ 1901ء میں شیخ عبدالقادر نے "مخزن" نکالا۔ 1908ء میں خواتین کا سب سے پہلا رسالہ جو دہلی سے نکلا اس کا نام "عصمت" تھا۔ اس کے مدیر شیخ محمد اکرم تھے بعد میں علامہ راشد الخیری اس کے مدیر بنے۔ 1909ء میں خواجہ حسن نظامی نے ولی اللہ کے حالات خانقاہوں اور عرسوں کے اصلاحات کے بارے میں ترویج و اشاعت کیلئے جولائی 1909ء میں "نظام المشائخ" نکالا۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے "غریبوں کا اخبار" اور "منادی" بھی نکالا۔ "منادی" روزنامہ تھا جو 1974 تک شائع ہوتا رہا۔ ان کے صاحبزادے خواجہ حسن ثانی نظامی اس کے مدیر ہیں۔ 1910ء میں مدراس سے ماہنامہ "خورشید" ایڈیٹر سید جلال الدین گھائل، 1911ء میں ماہنامہ "المضمون" ایڈیٹر منشی انصارالدین بے خود، 1912ء میں ماہنامہ "مورخ" ایڈیٹر مولوی محمد بدیع الدین، 1914ء میں روزنامہ "قومی رپورٹ" ایڈیٹر مولانا شرر آلندوری شائع ہوئے۔ رضوان احمد مرحوم کے تحقیقی مقالے "بیسویں صدی کی اردو صحافت" کے مطابق بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں غیر ممالک میں بھی اردو صحافت کا آغاز ہوچکا تھا۔ 1910ء میں ٹوکیو سے اردو رسالہ "اسلامک فریٹرنیٹی" شائع ہوا جس کے مدیر مولانا برکت اللہ بھوپالی تھے۔ یہ جاپان کے علاوہ چین، برما، ہندوستان، سنگاپور اور کولمبو

میں بھی جاتا تھا۔ یہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کے خلاف رائے عامہ ہموار کرتا تھا۔ 1912ء میں مولانا محمد علی جوہر نے "نقیب ہمدرد" اور حمید الانصاری نے "مدینہ" کی اشاعت شروع کی۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا ہفت روزہ "الہلال" اردو صحافت کا ماہ کامل تھا جس نے مسلمانوں میں سیاسی اور مذہبی شعور بیدار کیا۔ یہ پہلا اردو اخبار تھا جس نے اپنے ڈیزائن، لے آؤٹ اور خبروں کے ساتھ تصاویر کی پیش کشی کو اہمیت دیتے ہوئے جاذبنظر اخبار پیش کیا۔ اس اخبار کا مواد اور انداز بیان اس کی اصل روح تھا۔ 1913ء میں میرٹھ سے "توحید" جاری ہوا۔ اسی سال حاجی ساجد احمد کی ادارت میں پٹنہ سے "پٹنہ" اخبار شائع ہوا۔ 1916ء میں مولانا عبدالمجید شرر آلندوری نے مدراس سے ماہنامہ رسالہ "نور" خواتین کے لئے شائع کیا۔ اکتوبر 1916ء میں لکھنؤ سے ہمدم جاری ہوا جو مسلم لیگ کا ترجمان تھا جس کے ایڈیٹر جالب دہلوی تھے۔ 1919 میں لاہور سے مہاشی کرشنن نے گاندھی جی کی پالیسیوں اور نیشنل کانگریس کی تائید میں "پرتاب" جاری کیا۔ اردو داں ہندوؤں میں اس کا اچھا اثر تھا مگر حکومت وقت کے جبر کے آگے ہتھیار ڈالتے ہوئے اشاعت مسدود کرنی پڑی۔ 1920ء میں لاجپت راؤ نے لاہور سے "وندے ماترم" نکالا۔ یہ پہلا اخبار تھا جو کارپوریٹ سیکٹر کے تحت شائع ہوا تھا۔ پہلا ہی شمارہ 10 ہزار شائع ہوا۔ یہ صحت مند صحافت کا نمونہ تھا۔ 1921ء میں شاہ امان اللہ نے بجنور سے "نگینہ" اور "الامان" اخبار نکالا۔ حکیم اجمل خان کی ایماء پر یہ اخبار دہلی منتقل ہو گیا۔ اسی سال لالہ شام لال کپور نے "دسہری" نکالا۔ اس سے پہلے وہ "گروگھنٹال" کے نام سے بھی اخبار نکال چکے تھے۔ 1922ء میں محمد عبداللطیف فاروقی نے مدراس سے روزانہ "آزادِ ہند" کی اشاعت کا آغاز کیا۔ 1923ء میں لالہ خوشحال چند خورشید نے "ملاپ" جاری کیا۔ اس سے پہلے وہ "آریہ گزٹ" نکالتے تھے۔ "ملاپ" دہلی، جالندھر، حیدرآباد اور لندن سے شائع ہوتا تھا۔ اب دہلی سے شائع ہو رہا ہے۔ 1923ء میں سوامی شردھانند نے لالہ دیش بندھو گپتا کے ساتھ مل کر "تیج" نکالا جس کی راجستھان، یوپی اور دہلی میں اچھی اشاعت تھی۔ جاگیردار ریاستوں کی جانب سے بار بار اسے بند کیا گیا۔ 1924ء میں ریاست کشمیر کا پہلا اخبار "رنبیر" جاری ہوا جو مہاراجہ گلاب سنگھ کے بیٹے رنبیر سنگھ کے نام سے موسوم تھا۔ ایک سال بعد یہ بند ہو گیا۔ 1925ء میں مولانا عبدالماجد دریابادی نے 'سچ" نکالا جو 1933ء تک جاری رہا بعد میں اس کا نام "صدق" اور پھر "صدق جدید" کے نام سے جاری رہا۔ 1925ء میں ہفتہ وار "الجمعیت" جاری کیا۔ اس کی ادارت سے مولانا عرفان پھر ابوالاعلیٰ مودودی، بلال احمد زبیری، مولانا عبدالوحید صدیقی اور مولانا محمد عثمان فارقلیط وابستہ رہے۔ 1927ء میں لاہور سے انقلاب" عبدالمجید سالک اور مولانا غلام رسول بحر نے جاری کیا۔ یہ دستاویزی اخبار تھا جو 1949ء تک جاری رہا۔ 1927ء میں مولانا ابوالجلال ندوی، سید سلطان بہمنی اور نذیر احمد شاکر نے مدراس سے روزنامہ "مسلمان" جاری کیا جو اب بھی جاری ہے اور تاملناڈو کا واحد اردو اخبار ہے جس نے کتابت کے فن کو زندہ رکھا ہے اور مکمل اخبار کی کتابت کی جاتی ہے۔ 1928ء میں دہلی سے مسلم لیگ کا ترجمان روزنامہ "وحدت" شائع ہوا۔ یہی وہ دور تھا جب علامہ اقبال کی شہرت بام عروج پر تھی۔ انہوں نے لاہور کے کچھ اخبارات کی سرپرستی بھی کی۔ 1929ء میں محمد عبداللطیف فاروقی اور عبدالکریم آزاد نے مدراس سے "آزاد نوجوان" کی اشاعت شروع کی۔ مولانا ابوالجلال ندوی نے 1933ء میں ماہنامہ "بشریٰ"، محمد اسماعیل سیٹھ نے 1934ء میں ہفتہ روزہ "دلچسپ"، قاضی محمد عبدالرحمن نے ماہنامہ "رفیق" شائع کیا۔ مرتضیٰ احمد خان میکش اور چراغ حسن حسرت کی ادارت میں "احسان" 1934ء میں جاری ہوا جو اردو کا پہلا روزنامہ تھا جس کے دفتر میں ٹیلی پرنٹر نصب کیا گیا۔ اس دور کے اخبارات میں "احرار، نیشنل کانگریس، زم زم، پاسبان، مساوات اور تریاق" تھے۔ جبکہ لکھنؤ سے انیس احمد عباسی نے "حقیقت" جاری کیا جو روزنامہ سے ہفتہ وار میں تبدیل ہوا۔ قاضی عبدالغفار نے حیدرآباد سے پیام کی اجرائی کا آغاز کیا۔ 1931ء میں مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی نے مولانا آزاد کی سرپرستی میں ہفتہ وار "پیغام" نکالا۔ کچھ عرصہ بعد "ہند" جاری کیا۔ شبلی بی کام نے ہفتہ وار "خیام" جاری کیا۔ 1935ء میں علامہ شاکر نائطی نے عمرآباد تاملناڈو سے ماہنامہ "مصحف"، محمد کریم الدین نے روزنامہ "مسلم گزٹ" مدراس، غلام

محی الدین نے روزنامہ ''مسلم رپورٹ'' مدراس، ایمان گوپاموی، سید سلطان بہمنی نے 1936ء میں ماہنامہ ''رسالہ حیات''، مولانا ابوالجلال ندوی ''سہیل'' روزنامہ، سید سلطان بہمنی نے 1937ء میں ماہنامہ ''ہمدرد'' شائع کیا۔ 1938ء میں پٹنہ سے نذیر حیدر نے ''صدائے عام'' جاری کیا۔ سہیل عظیم آبادی نے روزنامہ ''ساتھی'' کی شروعات کی جسے غلام سرور نے لے لیا تھا۔ 1939ء میں ممبئی سے غلام احمد خان آرزو نے روزنامہ ''ہندوستان'' جاری کیا جو سرفراز آرزو کی ادارت میں اب بھی شائع ہو رہا ہے۔ متحدہ ہندوستان کے مشہور اخبارات میں لاہور سے 1940ء میں ''شہباز'' کی اجرائی عمل میں آئی۔ اسی سال لاہور سے حمید نظامی نے ''نوائے وقت'' نکالا۔ چار سال بعد یہ روزنامہ ہوا۔ یہ پاکستان کا ملٹی ایڈیشن اخبار ہے۔ 1942ء میں دہلی سے میر خلیل الرحمن نے ''جنگ'' جاری کیا۔ 1947ء میں کراچی منتقل کیا۔ یہ پاکستان کا سب سے بڑا اخبار ہے۔ کئی شہروں سے شائع ہوتا ہے۔ 1944ء میں جواہر لال نہرو نے 'قومی آواز' کی بنیاد ڈالی جس کے ایڈیٹر ڈاکٹر حیات اللہ انصاری تھے۔ یہ کانگریس کا ترجمان اور نیشنلسٹ اخبار تھا۔ مختلف شہروں سے اس کے ایڈیشن شائع ہونے لگے۔ افسوس کہ اس اخبار نے دم توڑ دیا۔

اپنے دور کے ممتاز صحافی، ادیب جمنا داس اختر نے اپنے ایک تحقیقی مقالے میں جو ماہنامہ ''آج کل دہلی'' کے 'اردو صحافت نمبر' میں شائع ہوا' میں لکھا ہے کہ جنگ آزادی میں اردو صحافت کا رول بڑا اہم رہا۔ اس دور کے جید صحافیوں میں جنہوں نے جنگ آزادی کی حمایت کی ان کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں ''مولوی محمد باقر تو جنگ آزادی کے پہلے شہید صحافی رہے ان کے فرزند مولوی محمد حسین آزاد جو خود بھی اخبار نویس تھے انہیں انگریزوں نے اشتہاری مفرور قرار دے کر گرفتاری کے لئے پانچ سو روپئے کے انعام کا اعلان کیا تھا''۔ ''صادق الاخبار'' کے ایڈیٹر مولوی جمیل الدین، اودھ اخبار'' کے ایڈیٹر منشی نول کشور، تاریخ بغاوت ہند کے مدیر مکند لال، ہفت روزہ ''خیر خدا خلق'' کے منشی ایودھیا پرشاد، ''جلوۂ طور میرٹھ'' کے روح رواں سید ظہیر الدین طور، ''سائنٹیفک سوسائٹی'' علیگڑھ کے ادارتی رکن مولانا محمد اسماعیل علیگڑھی، ''منشور محمدی'' کے ایڈیٹر محمد شریف، ''اردو معلی'' کے مدیر محمد حسرت موہانی، ''خم خانہ ہند'' کے مولوی احمد حسن شوکت، ایڈیٹر ''پیسہ'' منشی محبوب عالم، ''شیر پنجاب'' کے ایڈیٹر سردار امر سنگھ، مولانا آزاد، محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خان اور سید حبیب، سوامی پرکاشانند، پنڈت میلارام وفا، مولانا امیر احمد امان (ایڈیٹر ترجمان صحت)، لالہ راج پت رائے، پنڈت کشن چندر موہ (شانتی)، سوامی شردھانند، لالہ دیش بندو گپتا، رنبیر سنگھ، ڈاکٹر ستیہ پال اور ڈاکٹر عالم، شورش کاشمیری ایڈیٹر چٹان، مولانا امداد صابری، منشی گوپی ناتھ امر اور رام لال (سنسار اور روزنامہ ہند کے ایڈیٹر)، عبدالرزاق ملیح آبادی، صوفی انبا پرشاد، بلال احمد زبیری، پنڈت بانکے دیال شرما، مہاشہ کرشن، ویریندر اور نریندر نے اپنے قلم اور صحافتی صلاحیتوں کو تحریک آزادی کے لئے وقف کر دیا اس کے لئے ہر قسم کی مصیبتیں برداشت کیں۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ آزادی کی تاریخ اگر لکھی گئی ہے تو اس میں ان کا خون بھی شامل ہے۔

میرنال چٹرجی (میڈیا ہائیو) کے ایک مقالہ کے مطابق ہندوستان کی تقسیم کے وقت کل 415 اردو اخبارات جن میں روزنامے، ہفتہ وار ماہنامے شائع ہوتے تھے تقسیم کے بعد ان میں سے 345 ہندوستان میں رہ گئے۔ 70 اخبارات کے مالکین اور مدیران پاکستان کو ہجرت کر گئے۔ آر این آئی کی رپورٹ 1957ء کے مطابق اس وقت 513 اردو اخبارات تھے جن میں مجموعی تعداد اشاعت 7.84 لاکھ تھی۔ 2012ء میں یہ تعداد 710 اردو روزنامے اور کل تعداد اشاعت دو کروڑ 20 لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ آزادی کے بعد کئی نئے اخبارات وجود میں آئے جن میں ''دعوت''، ''نئی دنیا''، ''سیاست''، روزنامہ '' منصف''، روزنامہ ''اعتماد''، ''روزنامہ راشٹریہ سہارا''، آزاد ہند''، ''ہند سماچار''، ''اخبار مشرق''، ''آبشار''، ''عکاس''، ''انقلاب''، ''اردو ٹائمز''، ''سالار''، ''قومی آواز''، قابل ذکر ہیں۔ روزنامہ رہنمائے دکن سب سے قدیم اخبار ہے جو تقسیم سے پہلے رہبر دکن کے نام سے شائع ہوتا تھا۔ آزادی کے بعد کے کچھ اور اردو اخبارات، جرائد ورسائل کے نام یہ ہیں ''اورنگ آباد ٹائمز، ڈیلی آفتاب (سرینگر)، ڈیلی سرینگر ٹائمز، سری نگر، ڈیلی

کشمیر عظمیٰ (سری نگر)، امروز ہند (پٹنہ)، ساحل (بنگلور)، وادی کی آواز (کشمیر)، لشکر (لکھنؤ)، ہندوستان ایکسپریس (دہلی)، ہمارا سماج دہلی، انقلاب ہند دہلی)، صحافت (ڈیلی)، قومی رابطہ، جدید خبر (دہلی، مرادآباد)، اوصاف (پاکستان)، خبر دار جدید دہلی، گواہ (حیدرآباد)، ساز دکن (حیدرآباد)، صدائے حسینی (حیدرآباد)، مسلمان (مدراس) قابل ذکر ہیں۔ علیم صبانویدی کے بموجب آزادی 1947ء کے بعد مدراس سے کئی اخبارات، جرائد و رسائل شائع ہوئے تاہم اس وقت "مسلمان" واحد اردو اخبار رہ گیا ہے جس کے ایڈیٹر محمد عظمت اللہ ہیں۔ یہ اخبار اپنی صدی کی تکمیل کے قریب ہے۔ اس کے علاوہ ان کی اپنی ادارت میں "نور جنوب" ماہنامہ شائع ہوتا ہے۔

0000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000

خبر : فن اور اجزاء

خبر کا مفہوم اور مطلب ہر کس و ناکس پر واضح ہے۔ اس لفظ میں نہ کوئی گہرائی ہے اور نہ ہی گیرائی لیکن فکر و جستجو کرنے والوں نے تین حروف پر مشتمل اس انتہائی سادہ اور عام تلفظ کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے وہ وہ انداز اور ایسا ایسا پیرایہ اختیار کیا کہ بات ختم ہونے کا نام نہیں لیتی اور آج ممتاز صحافی اور صحافت کے نامور استاد کوئی ایسی تعریف اس مختصر سے لفظ کی پیش نہیں کر سکے جس پر تمام مکاتب فکر کو اتفاق ہو۔ کسی ایک تعریف پر ماہرین صحافت کا متفق نہ ہونا بجائے خود اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ لفظ اپنے اندر کتنی وسعت و ہمہ گیری سمیٹے ہوئے ہے۔ اور آج خبر کو اطلاع یا تازہ اطلاع کہہ دینا کافی نظر نہیں آتا۔ یہ بات بھی قبول نہیں کی جا سکتی کہ خبر خبر ہے۔

اس سادہ سے لفظ کی تعریف اور پھر اسے ناقدانہ انداز سے پرکھنے سے پہلے ہر ماہر صحافی نے اس کے اندر چھپے ہوئے مطالب کو تلاش کیا اور پھر انہی مطالب کو الفاظ کا جامہ پنا کر لوگوں کے سامنے پیش کر دیا یہی خبر کی تعریف بنتی گئی۔ ایک تعریر پر ماہرین کا متفق نہ ہونا اس بات کا بھی غماز ہے کہ اس لفظ کا سمجھنا جتنا آسان ہے دوسروں کو اپنی زبان میں سمجھانا اتنا ہی مشکل ہے۔

<u>خبر کی چند تعریفیں درج ذیل ہیں</u>

لارڈ نارتھ کلف جنہیں برطانوی عوام پسند صحافت کا باوا آدم کہتے ہیں، خبر کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"اگر کتا انسان کو کاٹ لے تو یہ خبر نہیں البتہ اگر انسان کتے کو کاٹے تو یہ خبر ہے

ولبسٹر ڈکشنری کے مطابق خبر "تازہ واقعات کی رپورٹ" کا نام ہے۔

آکسفورڈ لغت (انگریزی) میں خبر "نئی اطلاع، تازہ واقعات کی رپورٹ کو کہتے ہیں۔

رحم علی شاہ کے مطابق خبر کو انگریزی زبان میں News کہتے ہیں اور یہ لفظ News سے بنا ہے جس کے معنی تازہ اور جدید کے ہیں،، عربی لفظ خبر کے مفہوم سے بھی تازہ ہونا ہی مترشح ہے۔

News کے چاروں حرف سے North, East, West,South یعنی شمال، مشرق، مغرب اور جنوب بنتا ہے گویا چاروں اطراف ہونے والا ہر واقعہ خبر ہے۔

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید فنِ صحافت میں خبر کی تعریف یوں کرتے ہیں" خبر کا تعلق ایسے واقعات اور مشاہدات سے ہوتا ہے جو معمول سے ہٹ کر ہوں،،

حامد جلال Here is the News میں رقمطراز ہیں:" خبر اس نئی یا اہم اطلاع کو کہتے ہیں جو سامعین کی دلچسپی کا باعث ہو یا اس سے ان کی کچھ تربیت ہوتی ہو۔

پال ڈبلیو وائٹ نے News on the Air میں لکھا ہے" خبر ایسے دلچسپ، تازہ اور مصدقہ واقعات کا بیان ہے جو رونما ہو چکے ہوں، ہو رہے ہوں یا ہونے والے ہوں یا توقع کے مطابق نہیں ہوئے، نہیں ہو رہے اور نہ ہونے کی امید ہے،،

ول ارن Will Irwin اپنی کتاب Propaganda and News میں خبر کو یوں بیان کرتے ہیں۔" ایسا واقعہ جو مانوس اور معمول کی دنیا کے متعلق قاری کے تصور سے مختلف ہوتا ہے۔ یہ متصادم طاقتوں کی کشمکش کا نام ہے۔

کارل وارن نے Radio News Writing میں لکھا ہے" خبر عموماً وہ رپورٹ ہوتی ہے جو اس سے پہلے عام لوگوں کو معلوم نہیں ہوتی۔ یہ رپورٹ بنی نوع انسان کی ایسی سرگرمیوں کے تعمق ہوتی ہے جو قارئین یا سامعین کے لیے دلچسپی، تفریح یا معولمات کا موجب ہوں،،۔ اسی نام کی کتاب ولیم ایف بروکس نے بھی لکھی ہے جس میں وہ خبر کو اس انداز سے بیان کرتے ہیں" خبر دراصل غیر متوقع کا مترادف ہے،،

ویلکم سٹیڈ کے مطابق" ہر وہ چیز جو غیر معمولی اور انوکھی ہو خبر کہلاتی ہے،،۔

امریکی صحافی فراسٹر بانڈ کے مطابق" کوئی واقعہ خبر نہیں اس کا بیان خبر ہے،،۔

ڈاکٹر مسکین علی حجازی اپنی کتاب فنِ ادارت میں خبر کی تعریف یوں کرتے ہیں:" ہر وہ واقعہ خبر ہے جو درست ہو۔ لوگوں کے لیے دلچسپی کا باعث ہو جس کے متعلق لوگ جاننا اور اخبار نویس بتانا چاہیئے۔

ممتاز صحافی اے آر خالد نے اپنی کتاب"فن خبر نویسی" میں خبر کی تعریف یوں کی ہے"ہر وہ واقعہ جو عوام سے متعلق ہو مگر اس کی اشاعت، براڈکاسٹ یا ٹیلی کاسٹ سے پہلے اس کے بارے میں عوام کچھ نہ جانتے ہوں یا پوری معلومات نہ رکھتے ہو خبر کہلاتا ہے۔،،

ان تمام تعریفوں اور روزنامہ اخبارات میں چھپنے والی خبروں کو مدنظر رکھیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ان تمام کا مقصد کسی نئی چیز کے بارے میں معروضی انداز میں اطلاع کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اخبارات کے درمیان نظریاتی اختلافات کے باوجود ہمیں ایک جیسی خبریں پڑھنے کو ملتی ہیں اور پھر ان کی سرخیاں بھی ایک جیسی ہوتی ہیں، چونکہ صحافی کسی بھی واقعے کو جس طرح ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں، اس کی رپورٹ اسی طرح چھاپ دیتے ہیں۔ اس میں یہ ہو سکتا ہے کہ ایک صحافی کسی واقعے کو ڈرامائی رنگ دیتا ہے، کوئی نہیں دیتا۔ لیکن اصل واقعات اسی طرح رہتے ہیں۔ اس ساری بحث کی روشنی میں ہم خبر کی تعریف یوں کرسکتے ہیں کہ خبر کسی واقعے کا معروضی انداز میں بیان ہے، جس کے بارے میں لوگ نہ جانتے ہوں، اس میں ان کے لیے دلچسپی، تعلیم اور رہنمائی بھی ہو۔

خبر کا فن اور اجزاء:

ہر چیز کی تحریر کا انداز اور طریقہ کار کی وجہ سے ہم پہچان کرسکتے ہیں کہ یہ تحریر خبر، فیچر، مضمون، کالم، ناول، نظم یا غزل ہے۔ خبر لکھتے وقت اس کی مخصوص ہیئت کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ تکنیکی اعتبار سے تو خبر کے دو اجزاء ہوتے ہیں: ایک ابتدائیہ (انٹرو) اور دوسرا متن (باڈی)۔ کسی بھی

جرنلسٹ کو خبر لکھنے سے پہلے ڈیٹ لائن دینی چاہیے یعنی اس لائن میں یہ بتایا جائے کہ یہ خبر کس شہر، کس تاریخ اور کون سے ذریعے سے دی جا رہی ہے۔ ڈیٹ لائن لکھنے کے بعد خبر کا ابتدائیہ لکھا جاتا ہے اور پھر متن لکھا جاتا ہے۔

عام تحریر اور خبر کی تحریر میں بہت فرق ہوتا ہے۔ عام تحریر میں بیانیہ انداز اختیار کیا جاتا ہے اور کسی واقعے کو اسی ترتیب سے دیا جاتا ہے جس ترتیب سے وہ رونما ہوئے ہوں۔ لیکن خبر میں واقعات کو اس کی اہمیت کے لحاظ سے تحریر کیا جاتا ہے۔ خبر کو لکھنے کے لیے عام طور پر دو طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔ ☆الٹی تکون۔ ☆ترمیم یافتہ مثلث معکوس۔ پہلے طریقے میں کسی بھی واقعے کے اہم حصے سے کم اہم حصے کی طرف جایا جاتا ہے۔ اہم واقعات سے کم اہم کی طرف جاتے ہوئے واقعات کی تاریخی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ عام طور پر زیادہ تر خبریں اسی انداز میں لکھی جاتی ہیں کیوں کہ یہ قدرتی امر ہے کہ جب کوئی واقعہ سنایا جاتا ہے تو پہلے اس کی انتہا کا بتایا جاتا ہے، جب کہ دوسرے طریقے میں عروج پہلے دے دیا جاتا ہے اور پھر تاریخی اور بیانی انداز میں باقی خبر لکھی جاتی ہے۔

خبر کے فن میں خبر کی زبان کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ خبر لکھتے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ تحریر کی زبان آسان اور مختصر ہو۔ خبر کی زبان میں کوئی اسلوب نہیں ہوتا اور نہ ہی خبر لکھنے کے لیے زبان پر زیادہ عبور کی ضرورت ہوتی ہے۔ عام تحریر میں تکرار اور تشبیہات حسن پیدا کرتی ہیں لیکن خبر میں تکرار وغیرہ سے احتراز کرنا چاہیے۔

0000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000

اداریہ نگاری

اخبار میں اداریہ خبروں کی پالیسی کا نہ صرف ترجمان بلکہ جان ہوتی ہے۔ جس سے اس کی انفرادیت معلوم ہوتی ہے۔ اداریہ اخبار کیلئے ایک اہم عضو ہوتا ہے جو اخبار کا اپنا ایک مسلک، عقیدہ، رجحان اور کردار کیا ہے۔ صحافت کا اصول یہ ہے کہ خبروں کو معروضی انداز میں پیش کیا جائے۔ ان میں اپنی آواز کو پیش کیا جائے۔ خبروں کا بنیادی وصف اس کی صحت ہے۔ کسی واقعہ کا بے لاگ غیر جانبدارانہ اور دیانت دارانہ بیان خبر کہلاتا ہے۔ صحافت میں اداریہ نویس کیلئے چند امور ضروری ہوتے ہیں (1) اداریہ نویس کو حقائق پوری ایمانداری سے پیش کرنا چاہئے۔ کسی واقعہ کو توڑ مروڑ کر پیش نہیں کرنا چاہئے یا کسی شخص کی شبیہ خراب کرنے کی کوشش نہیں کرنا چاہئے۔ (2) اداریہ نویس کو نہ تو کبھی ذاتی مفادات کی طرف مائل ہونا چاہئے اور نہ اپنے اور دوسروں کیلئے خصوصی فائدہ حاصل کرنے میں اپنے اثر کا استعمال کرنا چاہئے۔ اسے بدعنوانی کے کسی معاملے میں بالاتر رکھنا چاہئے۔ اس کا ذریعہ چاہے کچھ بھی ہو۔ (3) اداریہ نویس کو یہ نہیں مان لینا چاہئے کہ وہ کبھی غلط ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے اپنے اختیارات کے مطابق ان لوگوں کی آواز اٹھانی چاہئے جو اس سے متعلق نہ ہو۔ (4) اداریہ نگاری میں دستیاب اطلاعات کی بنیاد پر خود کے نتائج کا برابر جائزہ لیتا رہے۔ اگر اسے ایسا لگے کہ اس کا نتیجہ سابقہ غلط تصورات پر مبنی ہے تو اس میں ترمیم کرنے میں اسے بالکل جھجک نہیں ہونی چاہئے۔ (5) اداریہ نگار کو چاہئے کہ وہ اپنے معاونین کی پیشہ وارانہ ایمانداری کے اعلیٰ ترین معیارات کے تئیں ان کے اعتماد میں انہیں پورا تعاون دے کیونکہ اداریہ نگار کی ساکھ اس کے معاونین کی ساکھ ہے اور معاونین کی ساکھ اداریہ نگار کی ساکھ ہے۔ (7) اداریہ نگار کے پاس پختہ خیال اور جمہوری فلسفہ زندگی کی جرات ہونی چاہئے۔ اسے کبھی کوئی ایسا

مضمون نہیں تحریر یا شائع نہیں کرنا چاہئے (7) ایک اچھا اور موزوں اداریہ تین حصوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ پہلے حصے میں موضوع یا مسئلہ کو بیان کیا جاتا ہے۔ دوسرے میں اس کا تجزیہ ہوتا ہے اور تیسرے میں مسلہ کا حل پیش کیا جاتا ہے۔

اداریہ میں 500 سے ایک ہزار الفاظ تک ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ روزنامہ ہفتہ وار، پندرہ روزہ اور رسالے کے اداریہ میں فرق ہوتا ہے۔ جبکہ رسالے کا اداریہ پرانے مسائل کو اٹھاتا ہے۔ اداریہ کے اندر حق گوئی اور بے باکی کا عنصر نمایاں رہنا ضروری ہے۔ اداریہ میں حق گوئی اور بے باکی کا عنصر نمایاں رہنا ضروری ہے۔ بزدلی سے لکھے جانے والے اداریہ کمزور اور بے اثر ثابت ہوتے ہیں۔ اس لئے اردو اخبارات بے لاگ اداریوں کیلئے خاص طور سے مشہور ہیں۔ موجودہ دور میں علوم وفنون کا دائرہ وسیع ہے۔ تمام امور پر مہارت رکھنا شخصی واحد کیلئے مشکل ہے۔ اس لئے نامور اخبارات میں اداریہ لکھنے کیلئے ماہرین کا عملہ ہوتا ہے۔ جس کو ایڈیٹوریل بورڈ کہتے ہیں۔ اس کا ہر رکن کسی نہ کسی مضمون کا ماہر ہوتا ہے اور روزانہ اخبار کے دفتر میں عام طور پر روزانہ ماہرین کے ساتھ ایڈیٹر کا تبادلہ خیال ہوتا ہے۔ جس میں موضوع کا حل اور اداریہ نگار کا انتخاب ہوتا ہے۔ جس سے موضوع پر کونسی پالیسی اپنائی جائے اس میں مدد ملتی ہے۔

انگریزی پریس میں پہلے صفحہ پر اداریہ شاذونادر اور بہت ہی غیر معمولی واقعہ پر دیا جاتا ہے۔ لیکن یوروپی ممالک میں یہ بہت عام ہے۔ اداریہ میں عصری حالات کے رخ موڑنے کی بے پناہ صلاحیت ہوتی ہے۔ یہ ایک آئینہ ہی نہیں بلکہ ایک تیز ہتھیار بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اداریوں کی وجہ سے کئی حکومتیں تہہ وبالا ہوئی ہیں اور زندگی کے کئی شعبوں میں انقلاب آیا ہے۔

صحافت کی قدیم روایات کے مطابق اخبار کا اداریہ نگار عوام کے ضمیر کا پاسبان سمجھا جاتا رہا ہے۔ اچھے اور برے کی تمیز کی جانب اشارہ دینا اداریہ نگار کا اخلاقی فریضہ ہے اور اداریہ نگار کسی بات کی حمایت کرتا ہے تو اطمینان بخش ثبوت اور دلائل کے ساتھ اور اسی طرح کسی بات کی کھل کر مخالفت کرتا ہے۔ اقدار کی حفاظت کرنا وہ اپنی اخلاقی پابندی تصور کرتا ہے۔ اداریہ کی سرخی بہتر اور صحافیانہ تحریر کی طرح ابتدائیہ جملے کافی دلکش ہوں اور عام شاہدہ ہے کہ بہت کم قارئین اداریہ پڑھتے ہیں اور کچھ قارئین ایسے ہیں جو اداریہ پڑھے بغیر چین نہیں لیتے۔ جن میں تعلیم یافتہ لوگ اداریے پڑھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں آج بھی اداریہ کافی طویل ہوتے ہیں، جب کہ مغربی ممالک میں مختصر اداریوں کا رواج عام ہوتا جارہا ہے۔ اس کیلئے موضوع کا انتخاب بھی ایک اہم مرحلہ ہے۔ آج تک کسی ماہر نے یہ ہدایت نہیں دی ہے کہ اداریہ کا ایک ادبی شاہکار ہونا ضروری ہے۔ اس کا عین مقصد بھی خبر کی تشریح اور کسی معاملہ کی وکالت ہے۔

0000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000

کالم نگاری

کالم نگاری نہ ادب وشاعری ہے، نہ تقریر وخطابت کا نام ہے اور نہ سیاست کا، بلکہ یہ حکایت وداستاں سرائی ہے، گر بیک وقت یہ صحافت وادب بھی ہے اور شاعری بھی، کالم نگاری داستاں گوئی بھی ہے یہاں تک کہ وہ تقریر وخطابت کی شعلہ سامانی کو اپنے دامنِ وسیع میں سمیٹے ہوئے ہے، کالم نگار کا قلم بھی شعلے برساتا ہے اور کبھی شبنم تو کبھی معاشرے کے ناسور پر نشتر لگاتا ہے اور کبھی دلوں پر مرہم بھی رکھتا ہے۔ کالم نگار معاشرے میں وجود پذیر ہونے والے نظریات وتحریکات کا بالاستیعاب مشاہدہ کراتا ہے، کالم نگار اگر ظالم ومظلوم، حاکم ومحکوم کے لئے تازیانہ ہے تو وہیں معاشرے کے

مجبور و بے کس کے لئے شمع فروزاں بھی ہے۔ کالم نگاری صحافت کے دائرہ میں بھی آتی ہے مگر تا حال سوائے چند ایک کہ کسی کو اس فن سے مالی اعانت نہیں ملی جو کہ ان کالم نگاروں کے ساتھ سراسر زیادتی کے مترادف ہے۔

کالم نگاری کا دائرۂ کار اور دائرۂ عمل اس قدر پھیلا ہوا ہے کہ اس کی سماجی و سیاسی، تہذیبی و تمدنی اور اخلاقی اور ہمہ گیر وسعت اور معنویت سے کون انکار کر سکتا ہے، اس کا اعتراف کرتے ہوئے اکبر الہٰ آبادی یوں گویا ہوئے ہیں:

کھینچو نہ کمانوں کو نہ تلوار نکالو جب توپ مقابل ہو تو اخبار نکالو

اسی طرح یہ بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ کالم نگاری نے اپنی کوکھ سے ایسے انقلابات کو جنم دیا ہے جس کو تاریخ نے اپنے آغوش میں محفوظ کر لیا ہے جس کی ایک جھلک پاکستان میں آزادی کا وہ طوفانِ بلاخیز ہے جس نے سامراجی حکومت کو متزلزل کر کے رکھ دیا تھا۔ اور جنگِ آزادی میں صحافت سمیت کالم نگاری نے جو مزاحمتی کردار ادا کیا اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ کالم نگاری اور صحات نے آزادی کی چنگاری کو شعلہ بنا دیا تھا جس کی وجہ سے پورے ملک میں انگریزوں کے خلاف نفرت کا آتش فشاں پھوٹ پڑا تھا اور صحافت نے پھر اس گلشن کی اس طرح آبیاری کی جس سے ہمارا یہ وطن پھر چمن زار ہو گیا۔

آج مغربی افکار اور نظریات و مادیت میں ڈوبے اس قحط الرجال میں کالم نگاری کی ذمہ داری دوچند ہو گئی ہے کیونکہ کالم نگار کی اہمیت و افادیت اور افکار و نظریات اہداف کی ترسیل و تبلیغ کی آج بھی اشد ضرورت ہے، آج مادی رجحانات نے صحافت کو اپنا وسیلہ بنا لیا ہے اور ہوس پرستی اور انسانیت سوزی کو فروغ دیا جا رہا ہے اور بین الاقوامی سطح پر اپنے سامراجی مقاصد کی تکمیل اور دوسری قوموں کو ذہنی غلامی میں ڈال کر ان کا استحصال ہو رہا ہے۔ لہٰذا آج انصاف پسند، صداقت شعار اور انسانیت دوست حضرات پر یہ ذمہ داری آن پڑی ہے کہ کالم نگاری کے اس طاقتور وسیلہ کو بروئے کار لاتے ہوئے عالمِ انسانیت کو مکر و فریب، الحاد و دہریت اور انسان دشمنی، اخلاقی انارکی اور مادی خود غرضی کے جنجال سے نکال کر امن عالم، انسانیت دوستی، عدل و انصاف، پاکیزہ نظریات و خیالات اور صلاح عقائد و اُفکار کی شمعیں فروزاں کی جائیں۔

0000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000

مراسلہ نگاری

فرد کی ذاتی خبر رسانی میں ان دنوں ٹیلی مواصلات کی بالادستی ہے۔ ان کے ذریعے آن کی آن میں خبر پہنچ جاتی ہے۔ تاہم خطوط نویسی کی اہمیت اپنی جگہ آج بھی مسلم ہے۔ مراسلہ جتنا پر معنی اور پہلودار ہے ٹیلی مواصلات قطعی نہیں۔ خط کو آدھی ملاقات یونہی نہیں کہا گیا ہے۔ زبان و بیان کی خوبیاں مراسلے کو مکالمہ بنا دیتی ہیں۔ ’’کاغذ پہ رکھ دیا ہے کلیجہ نکال کے‘‘ صرف خط نویسی سے ہی ممکن ہے۔ فون میں دوران گفتگو دماغ کا دخل ہوتا ہے جبکہ مراسلے میں دم تحریر دل کی پاسداری ہوتی ہے۔ وہ لمحاتی اور یہ دائمی چیز ہے۔ ٹیلی وسیلہ کارگذار شے ہے جبکہ مراسلہ یادگار ورثہ۔ ڈاک و تار کا شعبہ بظاہر ٹھہرا سا لگتا ہے۔ لیکن واقعتاً آج کی تاریخ میں یہ زیادہ رواں دواں ہے۔ فیکس، ای میل، فیس بک، واٹس ایپ اور ٹیوٹر نے اسے مزید تیز گامی عطا کی ہے۔ مراسلہ نگاری کی اہمیت و افادیت بدستور قائم و دائم ہے۔ فیس بک اور واٹس ایپ کی اطلاعات، کمینٹ، سوال و جواب، تبادلۂ خیالات یہ سب مراسلے بازی کا حصہ ہیں۔ مذکورہ سوشل میڈیا ایک دوسرے کو جوڑنے کا کام کر رہے ہیں۔

مراسلے نے سرکاری غیر سرکاری کاموں میں اپنی جگہ بنا رکھی ہے۔ تقرری ہو یا استعفا، شکایت ہو یا مطالبہ، مراسلے کے توسط سے ہی یہ چیزیں منظر عام پر آتی ہیں۔ دفاتر کے اعلانیہ خط کے ذریعے ہی مشتہر کیے جاتے ہیں۔ مراسلہ نگاری فقط نصاب تعلیم کا حصہ نہیں بلکہ اس کی ضرورت متعدد شعبہ ہائے زندگی میں ہے، حتیٰ کہ خود ذرائع ابلاغ مراسلوں کے محتاج ہیں۔ انھیں خاص و عام کے مراسلوں کا بڑے شد و مد سے انتظار رہتا ہے۔ اس لیے نہیں کہ مراسلے کے توسط سے تخلیقات کی فراہمی ہوتی ہے۔ بلکہ اس لیے بھی کہ ان کی کارکردگی پر عوام کی گرانقدر رائے حاصل کی جاتی ہے۔ مراسلہ ذریعۂ ابلاغ کا آئینہ ہے جس میں اس کی شکل و صورت نظر آتی ہے۔ ذرائع ابلاغ کی مقبولیت کا اندازہ عوام کی پسند و ناپسند سے ہوتا ہے۔ یہ پسند و ناپسند مراسلے کے توسط سے ہی دستیاب ہوتی ہے۔ ذرائع ابلاغ کے اثرات کس قدر عوام پر اثر انداز ہوئے یہ تبصرہ سے ہی پتہ چلتا ہے۔

اپنے الجھے سلجھے بالوں کو ہر شخص آئینے میں دیکھنا چاہتا ہے، تاکہ ان کی آرائش و زیبائش کی جا سکے یہی کام عوام کے مراسلے سے ہوتا ہے۔ اس سے مضمون نگار حوصلہ پاتا ہے اور رہنمائی بھی حاصل کرتا ہے۔ اہل کاروں کو اپنی کارگذاری مزید بہتر کرنے میں مدد ملتی ہے۔ کیونکہ زبان خلق نقارۂ خدا کے مترادف ہے۔ لہٰذا ذریعۂ ابلاغ کی خدمات کا محنتانہ تب وصول ہوتا ہے جب عوام میں اس کے رد و قبول کا پتہ چلتا ہے۔ مراسلہ حمایت میں بھی لکھا جاتا ہے اور مخالفت میں بھی۔ ذرائع ابلاغ کو اپنی خوبی و خامی کا اندازہ خود نہیں لگتا۔ لہٰذا وہ عوام الناس کے تبصروں پر مبنی مراسلہ نما آئینہ سے اس کے احتساب کی سعی کرتے ہیں۔ اخبارات و رسائل نے اس کے لیے کالم مخصوص کر رکھا ہے۔ جبکہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن میں ہفتہ وار پروگرام ہوا کرتا ہے اور پتہ بتا کر خط لکھنے کی درخواست کی جاتی ہے کہ پروگرام کیسا لگا؟ بار بار اصرار کیا جاتا ہے گذارش کی جاتی ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کی آرا کا انتظار رہے گا۔ یعنی اظہار خیال کی کھلی دعوت دی جاتی ہے۔

قاری یا سامع کو بھی اپنے خیالات کے اظہار کی ضرورت ہوتی ہے۔ گوناگوں مضامین پڑھ کر یا پروگرام سے محظوظ ہو کر اس پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں انھیں وہ قلم بند کرنا چاہتا ہے۔ اس سے قاری یا سامع میں رائے زنی کا شوق پیدا ہوتا ہے اور وہ خود کو فعال ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ چنانچہ وہ مراسلے کا وسیلہ اختیار کرتا ہے۔ مراسلے سے ذریعۂ ابلاغ کی رہنمائی ہی نہیں تشہیر بھی ہوتی ہے۔ کچھ ایسے بھی مراسلے لکھے جاتے ہیں جو غیر ضروری ہوتے ہیں۔ ایسی تحریر کا مقصد محض مبصرین میں شامل ہونا رہتا ہے۔ کچھ لوگ تنقید سے زیادہ تنقیص پر زور دیتے ہیں تو کچھ لوگ ضرورت سے زیادہ تعریف پر۔ دونوں طریقے نامناسب ہیں۔ مراسلے کو حقیقت کا آئینہ دار اور غیر جانبدار ہونا چاہیے نہ کہ طرفدار یا مخالف۔

ذرائع ابلاغ اور مراسلہ نگاری میں گہرا رشتہ دکھائی دیتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے محرک ہیں۔ یہ رشتہ دراصل ذرائع ابلاغ اور عوام کا رشتہ ہے۔ مراسلہ نگاری ذرائع ابلاغ کی زندگی سے عبارت ہے۔ ان کی شریانوں میں اس سے خون دوڑانے کا کام لیا جاتا ہے۔ ویسے ذرائع ابلاغ کا عوام سے تو رشتہ ہوتا ہی ہے مگر مراسلہ نگاری سے مزید رابطے کا پتہ چلتا ہے۔ ذرائع ابلاغ کا مقصد و منشاء اور باتوں کے علاوہ یہ بھی ہے کہ ان سے مقامی فنکاروں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ انھیں ابھرنے اور فروغ پانے کا موقع ملتا ہے۔ لیکن سارے لوگ تو فنکار ہوتے نہیں۔ لہٰذا فنکارانہ صلاحیت کی یہ کمی مراسلہ نگاری سے پوری ہو جاتی ہے۔ جو مضمون نہیں لکھ سکتے مراسلہ ہی تحریر کر کے تسکین حاصل کر لیتے ہیں۔ چنانچہ ہم بہت سارے مراسلوں میں دیکھتے ہیں کہ ان میں تخلیقی اور فنکارانہ رنگ ہوتا ہے، مضمون کا سا عکس پایا جاتا ہے۔ اور پھر خط لکھتے لکھتے وہ جناب مضمون بھی لکھنے لگتے ہیں۔ بہت سے صاحب مضمون بھی مراسلہ لکھ کر اپنے تاثرات ارسال کرتے ہیں۔ اس طرح زیادہ سے زیادہ افراد کو شرکت کا موقع ملتا ہے۔

مراسلے معیاری اور غیر معیاری بھی ہوتے ہیں۔ ایک ہی فرد کے مراسلے کا معیار مختلف رسائل میں الگ الگ ہوتا ہے۔ مراسلے کی تنقیدی حیثیت بھی ہے۔ یہ ناقدانہ رائے پیش کرتا ہے۔ اس سے تنقیدی رجحان کو فروغ ملتا ہے۔ اسے نقد و تبصرہ سے موسوم کیا جانا بے جا نہیں۔ اس عمل کو

علمی خراج کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ مراسلے کی صورت میں جو رائے منظر عام پر آتی ہے وہ قاری کی رائے ہوتی ہے۔ ادیب بھی مراسلہ قاری ہی کی حیثیت سے لکھتا ہے۔ مراسلہ شائقین ادب کے ردعمل کی اطلاع بلا معاوضہ قارئین تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔

ذریعۂ ابلاغ کو ارسال کیا گیا مراسلہ عوام سے عوام کا رشتہ استوار کرتا ہے۔ میری مراد قلمی دوستی سے نہیں بلکہ اس لامتناہی سلسلے سے ہے جو مراسلہ نگاری سے شروع ہوتا ہے۔ اردو کے متعدد روزناموں میں ایسے معرکے دیکھے گئے ہیں کہ مراسلہ کا دوطرفہ جواب در جواب کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات مدیر مخل ہو کر اسے روک دیتے ہیں ورنہ یہ قلمی جنگ دیر تک اور دور تک چلتی رہے۔ واضح ہو کہ یہ معرکہ آرائی دلچسپی سے خالی نہیں ہوتی۔ اخبارات ورسائل خطوط فراہمی کے اور بھی طریقے اپناتے ہیں۔ مثلاً کوئی موضوع منتخب کر کے اس پر رائے عامہ طلب کی جاتی ہے۔ اور ان گرانقدر آرا کو مشتہر کیا جاتا ہے۔ حوصلہ بخش کلمات اور افادیت آمیز تاثرات سے راہیں سہل ہو جاتی ہیں۔ قاری کی رائے کی روشنی میں رسالے کو مزید بہتر بنانے میں مدد ملتی ہے۔ اس طرح کا کام ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر بھی ہوتا رہا ہے۔ ذرائع ابلاغ محکمۂ ڈاک کی خدمات انجام دے کر عوام کے مابین پیغام رسانی کا کام بھی کیا کرتے ہیں۔

0000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000

انٹرویو

ادب کی مختلف نثری اصناف میں ایک ایسی بھی صنف ہے جس کے کئی نام سنائی دیتے ہیں۔ وہ ہے ''انٹرویو'' جسے مصاحبہ ملاقات، گفتگو، مخاطبہ، بات چیت، ہم کلام وغیرہ بھی کہا گیا ہے۔ مگر جوش ملیح آبادی سے جب استفسار کیا گیا تو انہوں نے جواباً فرمایا کہ

''میرے خیال میں انٹرویو'' کے لئے اردو میں کوئی لفظ نہیں ہے۔ اسے اردو میں اسی طرح اپنا لینا چاہئے، جس طرح انگریزوں نے ہمارے کئی الفاظ جوں کے توں اپنا لئے''۔

اس سے یہ اندازہ ہوا کہ انٹرویو انگریزی اصطلاح ہے اور انگریزی سے در آئی ہے۔

جدید نقاد سلیم شہزاد نے انٹرویو کے معنی بیان کرتے ہوئے فرہنگ ادبیات میں یوں رقمطراز ہیں :

''ادبی، فنی، سیاسی، مذہبی یا سماجی وغیرہ صورتحال اور مسائل پر دو افراد کی گفتگو، جس میں عموماً ایک فرد دوسرے سے سوالات کرتا اور دوسرا جواب دیتا ہے۔ اس میں سوال کرنے والا مخاطب سے اس کی ذاتی زندگی کے متعلق بھی معلومات دریافت کرتا ہے۔ دوسری شخصیت عموماً ادب و فن اور سیاست و مذہب وغیرہ کی اہم شخصیت ہوتی ہے۔ لیکن سوال کرنے والا بھی اگر ان شعبوں میں تربیت یافتہ ہو تو اس کے سوالوں کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ اس کے سوالات سیدھے اور آسان نہیں ہوتے بلکہ موضوع گفتگو کے پیچیدہ مسائل ہو جاتے ہیں۔ ادبی شخصیات سے انٹرویو کو ادب کی ایک باقاعدہ صنف خیال کیا جاتا ہے۔''مصاحبہ'' جس کے لئے مستعمل اصطلاح ہے''۔

اس تناظر میں اگر ہم انٹرویو کو مصاحبہ مان بھی لیں تو شاید کوئی ہرج نہیں۔ ادب میں اس کی روایت بڑی مستحکم نظر آتی ہے۔ انٹرویو دراصل اپنی علمیت کا شور مچانے کا نام ہے اور نہ ہی اپنے قد کو بڑھانے کا عمل۔ بلکہ ذہن میں آنے والے سوالات کو اس طرز پر پیش کرنا ہوگا کہ خود کے ساتھ ساتھ ادب کے قاری اور سامع کی معلومات میں اضافہ ہو۔ اور انٹرویو دینے والے کو ایک طرح سے مجبور کیا جائے کہ وہ اپنے تجربات، مشاہدات اور معلومات

کو اس طور بیان کرے کہ جواب دیتے ہوئے جہاں خود خوشی و مسرت اور حظ و انبساط کے جذبات سے سرشاری حاصل کر رہا ہو، وہیں سننے اور بعد میں پڑھنے والے کو ہر طور سے اطمینان اور جذبۂ امتنان سے لبریز کر رہا ہو۔ یہ چونکہ بنا بنایا مضمون یا مقالہ نہیں ہوتا بلکہ فی البدیہہ کہنا ہوتا ہے۔ ہاں اگر سوالنامہ دے دیا جائے اور جواب طلب کیا جائے تب بھی اس میں فکر و آگہی اور شعور کی بالیدگی اس کے جوابات سے مترشح ہوتی ہو۔ اس میں کبھی کبھی طنز کے نشتر بھی آ جاتے ہیں۔ مگر یہ نشتر عمل جراحی کے نشتر کی مانند ہوتے ہیں جو بجائے موت کے زندگی عطا کر رہے ہوتے ہیں۔ اس لئے میری دانست میں نثر کی اصناف میں انٹرویو کی اپنی اہمیت ہے۔ پرنٹ میڈیا کے توسط سے ہم تک کئی ادبی، علمی، مذہبی، سیاسی اور سماجی شخصیات کی گفتگو پہنچ رہی ہیں۔ الیکٹرانک میڈیا نے تو اس کو مزید وسعت دی ہے۔ ہمارے ادبی جرائد، ادیبوں، شاعروں، نقادوں وغیرہ کے انٹرویوز اور مصاحبوں سے مزین نظر آتے ہیں۔ ہاں ان کو باقاعدہ کتابی صورت میں پیش کرنے والے خال خال ہی نظر آتے ہیں۔

0000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000000